تبدیلیِ نظام، تحریکی حکمتِ عملی: چند پہلو

ڈاکٹر انیس احمد

دنیا کی تمام اصلاحی تحریکیں حصولِ مقصد کے لیے ایک لائحہ عمل تجویز کرتی ہیں۔ پھر اہداف کے حصول یا ان کے حصول میں مزاحمت، مسائل اور مشکلات کے پیش نظر وقتاً فوقتاً، ہدفِ منزل کو نگاہ سے اوجھل کیے بغیر، حکمتِ عملی میں مناسب تبدیلی کرتی ہیں۔ حکمتِ عملی کی تبدیلی نہ تو مقصد سے انحراف کی علامت ہوتی ہے اور نہ حصولِ مقصد کے عزم میں کمی یا مایوسی کا مظہر۔

مکہ مکرمہ کو دوبارہ تمام انسانیت کا قلب اور مرکز اور اہلِ ایمان کا قبلہ بنانے کا ہدف مکہ مکرمہ سے ہجرت کرنے کے بعد، مدینہ منورہ میں ایک اسلامی معاشرے اور ریاست قائم کرنے کے آٹھ سال بعد حاصل کیا گیا۔ اس دوران جو وقت لگا، اس کا ایک ایک لمحہ اصحابِ رسولؐ کے لیے ایک ایک دور سے کم نہ تھا۔

چنانچہ بار بار متٰی نصر اللہ کے الفاظ دل و زبان سے ادا ہوتے تھے، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت آن پہنچی اور فتح مکہ نے تکمیل رسالت اور حصولِ مقصد کا دروازہ کھول دیا۔ لوگ جوق در جوق قافلۂ حق میں داخل ہونے لگے۔ وہ دین جسے اس کے روحانی مرکز سے قوت کے بل پر بے دخل کرنے کی طاغوتی کوشش کی گئی تھی، قیامت تک کے لیے دوبارہ مرکزِ ابراہیمی کا دستور بن گیا۔ اس آٹھ دس سال کے عرصے میں، دین متین کے پیغام بَر کے دل و دماغ میں جو تلاطم بپا رہا ہو گا، اس کا اندازہ صرف رب کریم ہی کو ہو سکتا ہے، لیکن جس استقامت اور صبر کے ساتھ ہادی اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمتِ عملی کے ہر مرحلے کی تکمیل فرمائی، وہ آیندہ ہر عہد کی تحریکاتِ اسلامی کی قیادت اور کارکنوں کے لیے بہترین نمونہ اور اسوہ فراہم کرتی ہے۔ اس طویل اور صبر آزما حکمتِ عملی میں بدر و حنین بھی ہیں، حدیبیہ جیسے نازک مراحل بھی ہیں، اُحد و احزاب جیسی آزمایش بھی ہے اور خیبر اور مکہ کی فتوحات بھی۔ اس تمام دورانیے میں نبی خاتم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا غیر متزلزل عزم، مقصد و ہدف کا واضح ہونا، اور مناسب حال حکمتِ عملی کا وضع کرتے رہنا بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔

نبی اکرمؐ کی انقلابی حکمتِ عملی

انبیائے کرامؑ کو یہ امتیاز اور اعزاز حاصل ہے کہ وہ جو حکمتِ عملی وضع کرتے ہیں، اسے براہِ راست اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی تائید و نصرت حاصل ہوتی ہے، اور اگر کسی موقعے پر اس میں کسی نظرِ ثانی یا اصلاح کی ضرورت ہو تو وحی کے ذریعے اسے استوار کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ فتحِ بدر کے بعد مفتوح کے ساتھ کیا رویہ اختیار کیا جائے؟ یا حدیبیہ کے موقعے پر معاہدے کی نوعیت کیا ہو؟ یا مکہ کو فتح کرنے کے لیے کس طرح لشکر کو ترتیب دیا جائے؟ فتح کے بعد کیا شکل اختیار کی جائے؟ ان تمام معاملات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو براہِ راست وحی کے ذریعے اپنی حکمتِ عملی میں مناسب تبدیلی کرنے کا اعزاز حاصل رہا۔ یہ شکل بعد کی اسلامی تحریکات میں نہیں ہو سکتی۔ انھیں تو اپنے تجربات کی روشنی میں اپنی محدود عقل کو جہاں تک وہ پہنچ سکے، استعمال کر کے ہی وقتاً فوقتاً اپنی حکمتِ عملی پر نظرِ ثانی کرنی ہو گی۔ لیکن لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا کی یقین دہانی تو موجود ہے، بس شرط جَاھَدُوْا فِیْنَا کی ہے، جس میں جدوجہد کا حق ادا کرنا اس کی اصل اور روح ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انقلابی حکمتِ عملی کو تین دائروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ اوّلاً: اصلاحِ قلب اور روحانی حکمتِ عملی، ثانیاً: تعلیمی اور دعوتی حکمتِ عملی، اور ثالثاً: رفاہی اور اجتماعی زندگی کی تبدیلی کی حکمتِ عملی۔

☆روحانی حکمتِ عملی:

روحانی حکمتِ عملی کا نقطۂ آغاز اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ سے براہِ راست تعلق کو قائم کرنا اور اس کی بندگی کے وہ طریقے اختیار کرنا ہے جو خود وحی الٰہی نے تعلیم کیے ہوں۔ یہ فرمانے کے ساتھ کہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُھُمْ بِذِکْرِ اللّٰہِ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ○ ”ایسے ہی لوگ ہیں وہ جنھوں نے (اس نبیؐ کی دعوت کو) مان لیا ہے اور ان کے دلوں کو اللہ کی یاد سے اطمینان نصیب ہوتا ہے“ (الرعد ۱۳:۲۸)، اللہ کے ذکر کرنے کو مبہم نہیں چھوڑا گیا، ورنہ عقلِ انسانی اپنی بساط کے مطابق اپنی پسند کے طریقے نکال لیتی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کو الٰہ اور رب تسلیم کرنے اور اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے عقدِ اطاعت کا رشتہ قائم کرنے کے بعد صلوٰۃ، زکوٰۃ، صیام، حج اور جہاد کی شکل میں اللہ کے ذکر کے طریقے مقرر فرما دیے گئے اور ان پر عمل کے لیے سنتِ رسولؐ کی شکل میں ایک مکمل نقشۂ کار متعین فرما دیا گیا۔ اللہ کا ذکر اس سے بہتر شکل میں اور کیا ہو سکتا ہے کہ دنیا کے ہر گوشے میں دن میں پانچ مرتبہ بلند میناروں سے اس کی عظمت، کبریائی، حاکمیت اور دیگر تمام خدائیوں کا انکار ہو اور صرف اسی سے فلاح کا رشتۂ اُمید قائم کیا جائے، اور اس بات کا تذکرہ ہو کہ انسانوں کے لیے اگر کوئی مثال قابلِ عمل و تقلید ہو سکتی ہے، تو وہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ ہے۔ اس کی صداقت کی شہادت ہر ہر اذان میں دنیا کے ہر گوشے میں دن میں پانچ مرتبہ دی جاتی ہے۔

تعلق باللہ کی ایک دوسری عملی شکل صیامِ رمضان میں پائی جاتی ہے۔ جس طرح نماز میں مکمل بندگی و اطاعت کا اظہار، زبان کی ہر ہر جنبش اور جسم کی ہر ہر حرکت سے ہوتا ہے، ایسے ہی روزے کے دوران ایک نوعمر ہو یا بوڑھا، جوان ہو یا بچہ، تنہائی میں ہو یا محفل میں، پورے ایک ماہ اللہ تعالیٰ کے ہمہ وقت

موجود ہونے کے احساس کے ساتھ، دن اور رات کے ہر لمحے میں اللہ کی خوش نودی کے لیے نماز، تلاوتِ قرآن، قرآن پر غور و فکر، انفاق و صدقات میں کثرت، دوستوں اور غیروں کی ضیافت میں اضافہ، غرض عبادات ہوں یا معاملات، ہر معاملے میں اللہ کی بندگی ہی پیش نظر رہتی ہے۔ ایک ماہ کی مسلسل تربیتِ روحانی ایک مسلم مرد اور عورت کو اپنے لیل و نہار کو پابندیِ وقت کے ساتھ اپنے رب کی بندگی اور اللہ کے بندوں کی خدمت کا عادی بنا دیتی ہے اور اس تربیت کے اثرات سال کے بقیہ مہینوں تک برقرار رہتے ہیں۔ یہ تعلق ربانی تصورِ حیات میں انقلابی تبدیلی لاتا ہے اور تزکیۂ نفس کے ان آداب سے آگاہ کرتا ہے جو سنتِ مطہرہ میں پائے جاتے ہیں۔

پھر حج اس کا ایک مجرب نسخہ ہے۔ اللہ سے تعلق اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا کہ اس کے لاکھوں بندے اس کے بتائے ہوئے مہینے اور دنوں میں اپنے قومی لباس اور زبانوں کو خیر باد کہہ کر یک زبان ہو کر لبیک اللھم لبیک اور اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ کا نغمہ بلند کرتے ہیں، حتیٰ کہ وہ اپنی آنکھوں سے حرمِ کعبہ کو دیکھ لیں۔ بات یہاں آکر نہیں رُک جاتی۔ اب تک اللہ سے قرب اور تعلق کا اظہار زبان سے اس کی تکبیرات سے ہو رہا تھا، اب نگاہ ہو یا قلب، قدم ہوں یا پیشانی اور ہاتھ، ہر ہر عضو جسم اللہ کے گھر میں اس کی عظمت و احسانات کے پیش نظر فرش گیر ہو جاتا ہے۔

اللہ سے تعلق و قربت، نہ صرف عمرہ اور حج کی شکل میں، بلکہ پیداوارِ دولت کے ذریعے بھی اختیار کی جاتی ہے۔ ایک تاجر ہو یا کسان، اس کی ہر معاشی کوشش کا مرکزی نکتہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کس طرح اپنے مال کو حلال اور مباح طریقے سے پیدا کرے اور اللہ کی رضا اور خوش نودی کے لیے اس کا بہترین حصہ اس کی راہ میں خرچ کر کے عاجزی سے اس کی قبولیت کی درخواست کرے۔

یہ تعلق باللہ رات کی تاریکی میں ان تنہائیوں میں بھی ہوتا ہے جب بندہ اپنے رب کے حضور سجدہ ریز ہو کر اپنی بندگی کا اظہار کرتا ہے۔ یہی تعلق باللہ اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ ظلم و جبر اور ناانصافی کے خلاف، طاغوتی نظام سے نجات اور حق کے نظام کے قیام کے لیے اپنے مال اور نفس کو اللہ کے حضور پیش کر دے۔ بالکل اسی طرح معاشرے میں بڑھتی ہوئی اباحیت کو روکنے کے لیے اس کا اپنے مال اور صلاحیت اور وقت کا استعمال بھی رب کریم کے ذکر کی ایک شکل ہے۔ تعلق باللہ اور روحانی ترقی کا ایک اور مؤثر ترین ذریعہ قرآن کریم کی رفاقت ہے۔ جب قرآن کریم ایک صاحبِ ایمان کا رفیق بن جاتا ہے تو پھر اسے کسی اور کی رفاقت کی ضرورت نہیں رہتی ہے۔ یہ پُراز حکمت خزینہ اس کے تمام مسائل اور مشکلات کا جامع حل بدلتے حالات میں فراہم کرتا ہے۔

روحانی حکمتِ عملی کے بغیر دیگر مراحل، منزلِ مقصود تک پہنچنے میں کوئی امداد فراہم نہیں کر سکتے۔ روحانی حکمتِ عملی محض چلوں اور مراقبوں کا نہیں، میدانِ کارزار میں جان و مال کے جہاد کا مطالبہ کرتی ہے۔ یہ روح و جسم اور قلب و ذہن کی دوئی کو ختم کر کے اللہ کے بندے کے مکمل وجود کو توحید کے رنگ میں رنگ دیتی ہے۔ یہ اللہ کی مشیت اختیار کرنے کا نام ہے۔ یہ اپنی زندگی اور موت اور تمام معاملات کو صرف اور صرف اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی بندگی

میں دے دینے سے حاصل ہوتی ہے: قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (انعام ۶:۱۶۲) ”کہو میری نماز، میرے تمام مراسمِ عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا، سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔“

روحانی حکمتِ عملی ایک شخص کو تمام غلامیوں سے نکال کر ایک ایسا مردِ حُر بنا دیتی ہے کہ وہ نہ کسی سے ڈرتا ہے نہ دبتا ہے، بلکہ مکمل طور پر اللہ کا عبد بن جاتا ہے۔ اللہ کی عبدیت کا حصول ہی اگلے دائرے کی طرف پیش قدمی کرنے والا پہلا قدم ہے جس کی طرف قرآن کریم نے یوں اشارہ کیا ہے: یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ (اٰل عمرٰن ۳: ۱۶۴) ”جو اس کی آیات انھیں سناتا ہے، ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے۔“

انبیاے کرامؑ اور خصوصاً خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا مشن ایک دعوتی، تعلیمی اور تربیتی حکمتِ عملی کے ذریعے معاشرتی انقلاب تھا۔ اسلام میں روحانیت، معاشرے سے کٹ کر تجرد میں نہیں بلکہ معاشرے کی سرگرمیوں میں شریک ہوتے ہوئے ضبطِ نفس اور استقامت کے ساتھ قیامِ حق کی جدوجہد سے حاصل ہوتی ہے۔ تقویٰ اور نیکی محض مشرق یا مغرب کی طرف رُخ کر لینے کا نام نہیں ہے بلکہ شعوری طور پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو اپنا رب، رسولؐ کو اپنا قائد، اللہ کی نازل کردہ شریعت کو ضابطہ حیات، اور اس کے ساتھ معاشرے کے ضرورت مند افراد کی خبر گیری اور امداد، انھیں قرضوں سے نجات دلا کر، بھوک اور افلاس سے نکال کر ایک باوقار اور باعزت زندگی گزارنے کے قابل بنانے کا نام ہے۔ یہ معاشرے سے برائی کو مٹانے اور حق و صداقت کو غالب کرنے کی پیہم کوشش کا نام ہے۔ سورۂ بقرہ کی آیت البر اس پہلو کی وضاحت کرتی ہے:

لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ج وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ ج وَالْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ اِذَا عٰھَدُوْا ج وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ط وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ (البقرہ ۲: ۱۷۷) نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لیے یا مغرب کی طرف، بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ اور یومِ آخر اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتہ داروں اور یتیموں پر، مسکینوں اور مسافروں پر، مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے۔ اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔ اور نیک لوگ وہ ہیں کہ جب عہد کریں تو اُسے وفا کریں اور تنگی و مصیبت کے وقت میں اور حق و باطل کی جنگ میں صبر کریں۔ یہ ہیں راست باز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں۔

☆تعلیمی ودعوتی حکمتِ عملی:

ایک معلم اسی وقت کامیاب ہوسکتا ہے جب وہ خود اپنی تعلیم کا مرقع ہو۔ تعلیم اسی وقت مؤثر ہوسکتی ہے جب وہ حکمت ودانائی سے پُر ہو۔ مکی دور میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تعلیمی حکمتِ عملی اختیار کی، اس نے نہ صرف فکری تربیت کی بلکہ اُنھیں سیرت سازی کے عمل سے بھی گزارا۔ اس عمل میں اُنھیں دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والوں کی ابتلا وآزمایش کی بھٹی سے بھی گزرنا پڑا، لیکن وہ کندن بن کر نکلے۔ یہ تربیت نظری کے ساتھ ساتھ بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ عملی تھی۔ جو اس تربیت کے نظام سے گزر گیا وہ اپنا گوہرِ مقصود پا گیا، اللہ اُس سے خوش اور وہ اللہ سے خوش ہو گیا۔

اس نظامِ تعلیم وتربیت میں وقت کی اہمیت اور پابندی کی صفت پیدا کرنے کے لیے نظامِ صلوٰۃ کو ذریعہ بنایا گیا۔ چنانچہ ہر موسم میں دن ہو یا رات، صبح ہو یا شام، نماز کو مقرر اوقات پر قائم کرنے کے نتیجے میں تحریک کا ہر کارکن ایک آواز پر مقررہ وقت پر حاضر ہونے کا عادی بن گیا۔ اس نظامِ تعلیم میں بے غرضی، خلوص، ایثار وقربانی، اپنے مال اور جان کو اللہ کے لیے حاضر کر دینے کی تمنا ہر کارکن کی شخصیت کا حصہ بن گئی۔ اس نظامِ تربیت میں سمع و طاعت کے ساتھ ساتھ ہر معاملے میں مشاورت کو اختیار کیا گیا اور اس طرح کارکنوں میں وابستگی کا احساس پیدا کیا گیا۔ اب وہ بکھرے ہوئے موتیوں کے مانند نہ تھے بلکہ ایک تسبیح کے دانوں اور ایک ہار کے موتیوں کی طرح ایک دوسرے سے منسلک ہو کر ایک دوسرے کے لیے قوت اور سہارا بن گئے تھے۔ ان کی گفتگو نصیحت کی گفتگو تھی کہ تمام معاملات میں دوٹوک رائے کے ذریعے ایک مجموعی رائے تک پہنچا جاسکے۔ جب تک مسلم معاشرے میں تعلیم وتربیت کا یہ نظام برقرار رہا، مسلم معاشرہ ترقی کرتا رہا۔ مسلمانوں کی سیاسی، معاشی اور عسکری قوت بڑھتی رہی لیکن جب شورائیت کی جگہ خود رائی، تنہا ایک شخص کا اپنی رائے کا دوسروں پر مسلط کرنا عام ہو گیا، اور جن سے مشورہ کیا جاتا، وہ بھی یہ دیکھ کر مشورہ دینے لگے کہ کہیں مشورے سے ان پر کوئی زد نہ آئے، تو پھر معاشرے کا زوال شروع ہو گیا۔ اس تبدیلی کو خلافت سے ملوکیت اور شخصی حکمرانی کی طرف رجعتِ قہقری کے تناظر میں بھی پورے طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔

تعلیمی حکمتِ عملی اس لیے ضروری ہے کہ یہ ایک خاموش اور دیرپا انقلاب لے کر آتی ہے۔ اس کی پہچان کارکنوں اور قیادت میں اسلامی شخصیت کا پایا جانا ہے۔ جس طرح ایک پھل والے بیج کی شخصیت اُس پھل کے درخت میں ظاہر ہوتی ہے، بالکل اسی طرح اسلامی تعلیمی حکمتِ عملی کے زیراثر تربیت پانے والی ہر شخصیت ایک پھل دار درخت کی طرح مستحکم و مستقیم ہوتی ہے۔ تعمیرِ کردار اور تربیتِ سیرت سے وہ افرادِ کار تیار ہوتے ہیں جو سخت سے سخت آزمایش کا مقابلہ مسکراتے ہوئے اپنے رب پر اعتماد کے ساتھ کرتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو صلحا، شہدا اور انبیاؑ کے ساتھ اپنے رب کے سامنے پیش ہوں گے۔ تعلیمی حکمتِ عملی وہ مردانِ کار تیار کرتی ہے جو اقامت دین کی جدوجہد نہ صرف سیاسی میدان میں بلکہ اپنے گھر میں، محلے میں، مسجد میں، کاروبار میں، معاشرتی تعلقات میں، غرض ہر ممکنہ انسانی شعبۂ حیات میں اختیار کرتے ہیں اور زبان سے زیادہ ان کا طرزِ عمل دوسروں کے لیے تربیت و تعلیم کا ذریعہ بنتا ہے۔ تعلیم دعوت کا ایک حصہ ہے اور دعوت تعلیم کا ثمرہ اور مقصد ومطلوب۔ دونوں میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔

☆رفاہی اور اجتماعی تبدیلی کی حکمتِ عملی:

رفاہی حکمت عملی اولین دو اجزا کا لازمی اور منطقی نتیجہ ہے۔جب ایک تحریکی کارکن یا تحریکی قیادت تعلق باللہ کی بنیاد پر اپنے روحانی تعلق کو تعلیمی اور تربیتی حکمتِ عملی میں ڈھالتی ہے، تو پھر دعوت کا دائرہ خدمت خلق میں داخل ہو جاتا ہے اور اللہ کی بندگی اور اس کے حقوق کی ادائیگی کے ساتھ تحریک کو اپنی توجہ اللہ کے بندوں پر مرتکز کرنی پڑتی ہے۔اسلامی انقلاب اور تبدیلیِ قیادت کی راہ میں یہ ایک لازمی قدم ہے۔یہی وجہ ہے کہ حدیث قدسی میں اللہ رب العزت ہمیں اس طرف متوجہ کرتے ہیں کہ یوم الحساب وہ خود اپنے ایک بندے سے پوچھیں گے: میں بھوکا تھا اور تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔اور جب بندہ حیرت سے یہ بات کہے گا کہ رب کریم آپ تو دنیا کو کھلانے والے، کائنات کی ہر شے کے مالک ہیں، میں کیسے آپ کو کھانا کھلاتا؟ تو جواب دیا جائے گا: میرا فلاں بندہ تیرے پاس بھوکا آیا، تو نے اسے کھانا نہیں کھلایا۔اسی طرح یوم الحساب میں بندے سے جو اگلا سوال کیا جائے گا اس کا تعلق اللہ کے بندوں کی عیادت سے ہوگا، اور ایسے ہی ایک سوال اللہ کے بندوں کو پانی فراہم کرنے سے متعلق ہوگا۔گویا اگر ہمیں اپنے رب کو اپنے قریب دیکھنے کی تمنا ہے تو حدیث قدسی اس بات کا اعلان کرتی ہے کہ جو شخص کسی کی عیادت کرنے جائے گا، جو کسی بھوکے کو کھانا کھلائے گا اور جو کسی کو پانی فراہم کرے گا، وہ اللہ تعالیٰ کو اپنے نزدیک پائے گا۔

تعلق باللہ، تعلیم ودعوت اور رفاہ وخدمت ہی دراصل وہ تعمیراتی اینٹیں ہیں، جن سے وہ تعمیر وجود میں آتی ہے جسے اسلامی معاشرہ اور اسلامی ریاست کہا جاتا ہے۔جس کا نقطۂ فراز، انقلابِ قیادت ہے، جیسا کہ مدینہ کی ریاست کی شکل میں ہوا اور اس نے تاریخ کے دھارے کو تبدیل کر دیا۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قیادت میں تحریک اسلامی کے مکّی دور کے ۱۳ سال اور مدنی دور کے ۱۰ سال اور خلافت راشدہ کا روشن دور اسلام، اس کی دعوت، پیغام، مشن کی حیثیت رکھتے ہیں۔اس حکمتِ عملی کا ہر حصہ دوسرے سے مربوط اور ایک وسیع تر دعوت کا حصہ (model) اور انقلابی تبدیلی کے لیے نمونے ہے۔

اسلامی تحریکوں نے مشرق وسطیٰ اور جنوب مشرقی ایشیا میں اعلیٰ پیمانے کے شفاخانے، اور فلاحی کاموں کے ادارے قائم کر کے اس جواب دہی سے بچنے کے لیے محدود سطح پر کام تو کیا ہے، لیکن اسے تحریکی انقلابی حکمتِ عملی کے ایک بنیادی مرحلے کے طور پر اختیار کرنے کا خواب ادھورا ہے۔پاکستان میں جس کام کا آغاز ۱۹۵۰ء کے عشرے میں کراچی میں مرحوم چودھری غلام محمد امیر جماعت اسلامی کراچی نے کیا تھا، اسے وہ وسعت نہ دی جا سکی جس کا وہ متقاضی تھا۔اگر تنقیدی نگاہ سے دیکھا جائے تو ترکی میں تحریکِ اسلامی کی فکر رکھنے والے افراد کا ۳۰ سالہ جدوجہد کے بعد اختیار واقتدار میں آنا جہاں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی خاص عنایت ورحمت ہے، وہاں اس میں بڑا دخل اس تیسرے مرحلے کا بھی ہے، یعنی فلاحی حکمتِ عملی۔

اگر سیلاب زدگان کے لیے مکانات تعمیر کیے جائیں، اگر بھوکے افراد کو کھانا فراہم کیا جائے اور وہ بھی کیسے ؟ یعنی ایک مٹھی بھر گندم یا چاول گھر گھر سے جمع کر کے، تو نہ صرف عوامی شرکت کے ذریعے بلکہ ذاتی اور انفرادی سطح پر کارکنوں کی ایسی لگن کے ذریعے، جس میں معاشرے کی دست گیری، دُکھ درد میں شرکت اور جائز مدد کا ہر پیمانہ شامل ہو۔ اس کے نتیجے میں ایک جانب فرد کی حسنات میں اضافہ ہوگا، دوسری جانب لوگوں کے دُکھ درد کم ہوں گے، اور تیسری جانب خود تحریک کا تاثر محض ایک سیاسی یا انتخابی تحریک کی حد تک محدود نہ رہے گا۔ یہ تاثر ایک دینی، اصلاحی، فلاحی اور سیاسی تحریک کی مجسم تصویر میں ڈھل جائے گا۔

فلاحی حکمتِ عملی میں بیواؤں کے لیے امداد، یتیموں کی تعلیم و تربیت، بیماروں کی تیمارداری اور صحت کے ایسے مراکز کا قیام شامل ہے جہاں تحریک سے وابستہ ڈاکٹر انھیں مفت مشورہ اور کم قیمت پر دوائیں فراہم کر سکیں۔ محلوں اور بستیوں میں صفائی مہم، عدم تحفظ کے شکار عوام کو قانونی مشورہ فراہم کرنا یا ان کے محلے میں کمیٹی بنا کر اپنی حفاظت کے لیے چوکیدار، سڑک کے ناکے پر پوچھ گچھ کا انتظام وغیرہ، ایسے کام ہیں، جن میں کسی بھاری مالی صرفے کے بغیر انتظامی اقدامات اور افرادی قوت کو منظم کر کے نتائج حاصل کیے جاسکتے ہیں۔ یہ وہ چند مثالیں ہیں جن کو سامنے رکھتے ہوئے ہر علاقے میں تحریک کے افراد خود سوچ کر اپنے لیے ترجیحات مقرر کر سکتے ہیں۔ اس کے لیے مرکز سے کسی ہدایت کی ضرورت نہیں، کہ تحریک نے روزِ اوّل سے ہدایت دے رکھی ہے۔

فلاحی حکمتِ عملی دراصل اسلامی تحریکوں کے اجتہادی ہونے کی دلیل ہے۔ یہ ان کا ایک امتیاز ہے۔ ان کا اجتہادی ہونا، یعنی مسائل سے گھبرائے بغیر، مایوسی کو پاس نہ آنے دینا اور بصیرت و بصارت کے استعمال سے نئے راستے نکالنا ان کا طرۂ امتیاز ہے۔ سید مودودیؒ نے ۱۹۶۳ء میں جماعت کے اجتماع میں جو بات ایک مثال دے کر سمجھائی تھی، اس کا تعلق صرف اس وقت کی صورت حال سے نہ تھا، بلکہ وہ ایک تاریخی حقیقت اور تحریک کے لیے ابدی ہدایت کی حیثیت رکھتی ہے۔ آج کی صورت حال میں اس کی اہمیت اور افادیت کچھ اور بھی دوبالا ہو جاتی ہے۔ انھوں نے فرمایا تھا کہ جب حیات بخش پانی کا ایک چشمہ یا دریا یہ دیکھتا ہے کہ اس کا راستہ پہاڑ نے روک لیا ہے تو وہ پہلو بچا کر نیا راستہ نکال لیتا ہے اور پہاڑ اس کا منہ دیکھتا رہ جاتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ پہاڑ سے کنارہ کرتا ہوا پانی کا ریلا اسے غیر محسوس طور پر گھستا رہتا ہے، حتیٰ کہ پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتا ہے اور پانی کا ہر نرم و نازک قطرہ شاداں و کامیاب رہتا ہے۔

تبدیلیِ قیادت کا مرحلہ

آج جب ملک میں بار بار یہ بات ابلاغِ عام میں دہرائی جارہی ہے کہ حالیہ بدعنوان حکومتی جماعت کو عوام رد کر چکے ہیں اور سابقہ حکومتی جماعت کے بے اصولی پن نے اسے متبادل کے مقام سے گرا دیا ہے، اور نگاہیں کسی بڑی تبدیلی لانے والی قوت کی طرف اُٹھنے لگی ہیں خواہ وہ اس کٹھالی سے گزری ہی نہ ہو جو لوہے کو فولاد بناتی ہے۔ زمینی اور سیاسی حقائق جس طرف اشارہ کر رہے ہیں، وہ تبدیلی کی ضرورت ہے لیکن یہ بھی اللہ کا قانون اور تاریخ کا سبق ہے کہ

ایسے حالات میں تبدیلی کے لیے انقلابی لہروں کا فروزاں ہونا ضروری ہے۔ ہمارے لیے یہ بات سنجیدگی سے سوچنے کی ہے کہ ابلاغِ عامہ سے قطع نظر، کیا سڑک پر چلنے والا ایک عام شہری یا گائوں کا ایک سادہ لوح انسان، جو موجودہ اور سابقہ حکمرانوں سے یکساں نالاں ہے، مستقبل کی جماعت کی حیثیت سے تحریکِ اسلامی کی طرف دیکھتا ہے؟ اگر معروضی طور پر یہ بات ہے تو ہمیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اپنی رفتار کار میں سوگنا بلکہ ہزار گنا اضافہ کرنے کی فکر کرنی چاہیے تاکہ اللہ کی نصرت سے ہم تبدیلیِ قیادت کی خدمت انجام دے سکیں۔ لیکن اگر ایک سرِ راہ چلنے والا راہی بھی ابلاغِ عامہ کی طرح یہ سمجھتا ہے کہ اسلامی تحریک اور اصلاحی قوتیں ایسی تیسری ترجیح نہیں بن سکے ہیں، تو پھر ہمیں تجزیہ کرنا ہو گا کہ اس تاثر کو کن ٹھوس، قابلِ حصول، متعین اقدامات کے ذریعے کم سے کم وقت میں تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

ممکن ہے اس خود احتسابی کے عمل میں ہمیں کچھ وقت لگے لیکن کم از کم ایک ایسی حکمتِ عملی فوری طور پر اختیار کرنے کی ضرورت ہے جو تعلیمی، دعوتی اور فلاحی کاموں کو بنیاد بناتے ہوئے ایک عام شہری کو یہ پیغام دے سکے کہ تحریکِ اسلامی اس کی فلاح چاہتی ہے اور ملک کو تباہی سے بچانے میں ایک فیصلہ کن کردار ادا کر سکتی ہے۔

یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اصل اور آخری ہدف، یعنی رضائے الٰہی کا حصول جو تحریک اسلامی کا ہدف ہے، اور قریب المیعاد حکمتِ عملی میں ربط اور تسلسل کا ہونا بہت ضروری ہے۔ فلاحی کاموں کو صرف اللہ کی رضا کے لیے انجام دینا اس بات سے نہیں روکتا کہ ان کے بارے میں نہ جاننے والوں کو بغیر کسی تعلّی کے معلومات فراہم کی جائیں اور وہ یہ بات سمجھ سکیں کہ اگر پاکستان کو ایک فلاحی اسلامی ریاست بنانا ہے تو اسے کون لوگ یہ مقام دلا سکتے ہیں۔ وہ جو خود غرض، جھوٹ کا کاروبار کرنے والے ہیں، یا وہ جو اللہ کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی کے لیے اپنا وقت، اپنی صلاحیت، اپنا مال لگانے میں مصروف ہیں۔

'نیکی کر دریا میں ڈال' کی اخلاقی کیفیت اپنی جگہ لیکن رنگ و بو کی اس دنیا میں نیکی ہی نہیں، نیکو کاروں کی خدمات کا ابلاغ (projection) بھی کی دنیا ہے اور اچھے لوگوں (perception) اور تصور (image) تعلیم، دعوت، خدمت اور انقلاب کی حکمتِ عملی کا اہم حصہ ہے۔ یہ دنیا ظاہر اور نیک خدمات کا صحیح ابلاغ خود پسندی یا خود نمائی کے زمرے میں نہیں آتا، بلکہ دعوتی حکمتِ عملی کا ایک نہایت اہم حصہ ہے۔ تحریکِ اسلامی کی قیادت اور کارکنوں کو اس امر پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیے کہ ان کا پیغام اور ان کی خدمات کا صحیح صحیح اِدراک ہر خاص و عام میں کس طرح پیدا کیا جاسکتا ہے۔

اس نکتے پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اسلامی تحریکوں نے مصر، تیونس اور مراکش میں کیا صرف منفی نعروں، یعنی سامراجی قوتوں کو مار بھگانے کے تذکرے سے یا مثبت نعروں، یعنی عوام کی فلاح، معیشت، تحفظ، صحت، تعلیم، روزگار اور حصولِ عدل کو اپنی حکمتِ عملی کے بنیادی نکات بنایا، اور پھر ایک عرصہ اس حوالے سے عوامی سطح پر کام کر کے لوگوں کو یقین دلایا کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے ہیں۔

ایک ایسے دور میں جب ہم اعتماد کے فقدان، خلوص کے افلاس اور اُمید سے محرومی کا شکار بنا دیے گئے ہیں، ہم عوام الناس کو ان ذہنی اور روحانی امراض سے کس طرح اور کتنی جلد نجات دلا سکتے ہیں؟ نجات اور رہنمائی کے اس عمل کے لیے ہمیں اسلوبِ بیان اور تکنیک میں کس تبدیلی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے؟ کیا آج تک اختیار کی گئی سیاسی زبان اور دعوتی اسلوب اس مقصد کے حصول کے لیے کافی ہے؟ ہمیں اس کے لیے اجتماعی طور پر غور کرنا ہو گا، تاکہ اُس برکت کے نتیجے میں جو اجتماعی مشورے کا خاصا ہے، ہم ایسی فلاحی حکمتِ عملی وضع کر سکیں جو یوم الحساب سرخروئی اور اس دنیا میں عادلانہ نظام کے قیام اور عوام الناس کو مایوسی سے نجات دلانے کا ذریعہ بن سکے۔